Fikr-o-Nasar (Islamabad) 13:7 (1976)

شیخ صاوی علی شعلان

کلامِ اقبال کے ایک عرب ترجمان

محمود احمد غازی

علامہ اقبال نے متعدد بار اپنے کلام، نظم و نثر میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ان کے کلام کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ لوگوں کو ان کی وفات کے بعد ہوگا۔ زبورِ عجم میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

پس از من شعر من خوانند و دریابند و می گویند
جہانے را دگرگوں کرد یک مرد خود آگاہے

علامہ کو اس امر کا بھی احساس تھا کہ ان کی وفات کے بعد جب ان کے کلام کی مقبولیت بڑھے گی تو لوگ کثرت سے ان کے مزار پر آیا کریں گے۔ بالِ جبریل میں اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

زیارت گاہ اہل عزم و ہمت ہے لحد میری
کہ خاکِ راہ کو میں نے بتایا رازِ الوندی

علامہ کی یہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ ان کی زندگی ہی میں ان کی شہرت ہندوستان کی حدود سے نکل کر افغانستان، ایران، ترکی، مصر، فلسطین اور دوسرے اسلامی اور غیر اسلامی ممالک کی سرحدوں تک جا پہنچی۔ ان کی انگریزی اور فارسی تحریروں نے ان کو علمی دنیا کے ایک بہت بڑے اور وسیع حلقہ میں متعارف و مقبول کرا دیا۔ ان کی متعدد کتابوں اور نظموں کے مختلف زبانوں میں کئے گئے تراجم نے ان کی زندگی ہی میں شائع و مقبول ہو کر اپنا ایک وسیع حلقۂ اثر پیدا کر لیا۔ لیکن ان سب سے بڑھ کر علامہ کی خواہش تھی کہ ان کے کلام اور پیغام کی اشاعت عرب دنیا میں ہو۔ وہ عرب دنیا جس سے ان کو دلی محبت اور عشق ہے۔ جس کو وہ اسلام کے مترادف سمجھتے ہیں۔ جس کو وہ خراج گیر قدوہاں، خلافِ آئینِ جہانداری اور اس طرح کے دوسرے جلیل القدر خطابات سے بار بار یاد کرتے ہیں۔ جس کے زوال پر وہ قرطبہ، صقلیہ سے لے کر دہلی اور لاہور تک آنسو بہاتے ہیں۔ جس کے عروج اور ترقی سے

ان کو نہ جانے کتنی امیدیں وابستہ ہیں۔ وہ بار بار عرب کے حکمرانوں فیصل، فواد، فاروق اور ابنِ سعود کو مخاطب کر کے درد بھرے انداز میں کہتے ہیں:۔

گفت اے روحِ عرب بیدار شو　　　چوں نیاگاں خالقِ اعصار شو

اے فواد اے فیصل اے ابنِ سعود　　　تا کجا بر خویش پیچیدن چو دود

زندہ کن در سینہ آں سوزے کہ رفت　　　در جہاں باز آور آں روزے کہ رفت

اے نخیلِ دشت تو بالندہ تر　　　بر نخیزد از تو فاروقے دگر ؟

علامہ اقبال کی اس خواہش کی تکمیل کا سامان بھی خود ان کی زندگی ہی میں شروع ہو چکا تھا۔ ان کی وفات سے تقریباً دس سال قبل مصر کے ایک ممتاز عالم محقق اور شاعر ڈاکٹر عبدالوہاب عزام نے اپنے ترک دوست محمد عاکف کے ساتھ مل کر اقبال کے منتخب اشعار کا عربی ترجمہ شروع کر دیا تھا عزام صاحب نہ صرف اقبال کے کلام کا ترجمہ کرتے بلکہ مختلف علمی و ادبی محفلوں میں اقبال کے کلام اور پیغام کے بارے میں تقریریں بھی کرتے تھے۔ ۱۹۲۹ء میں انہوں نے اقبال کی شان میں ایک قصیدہ بھی لکھا جس کا عنوان لمحات تھا۔ اس میں اقبال کا تعارف اور ان کے پیغام کا مختصر تذکرہ تھا۔ ڈاکٹر عبدالوہاب عزام کے لئے انتہائی خوشی، جذبات کی شدت اور مسرت کی فراوانی کا موقعہ تھا جب ۱۹۳۱ء میں ان کو خود اپنے محبوب و ممدوح اور روحانی مرشد سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ ۱۹۳۱ء میں دوسری موتمر عالم اسلامی میں شرکت کے لئے جاتے ہوئے علامہ اقبال جب قاہرہ ٹھہرے تو وہاں کے اہلِ علم اور دینی و ادبی تنظیموں نے ان کے استقبال اور ان کے اعزاز میں ایک تقریب کے انعقاد کا پروگرام بنایا اور ڈاکٹر عبدالوہاب کے ذمہ یہ کام لگایا گیا کہ وہ حاضرین کو اقبال کی شخصیت اور ان کے پیغام سے متعارف کرائیں گے۔ اس تقریب میں علامہ نے براہِ راست امت عربیہ تک اپنا پیغام پہنچایا۔ یہ علامہ کا عربوں سے پہلا رابطہ تھا۔ ۱۹۳۸ء میں علامہ کے انتقال کی خبر عرب دنیا اور بالخصوص مصر میں نہایت رنج و الم کے ساتھ سنی گئی۔ بہت سے تعزیتی جلسے منعقد ہوئے۔ اس موقعہ پر جماعۃ الاخوۃ الاسلامیہ پیش پیش تھی۔ یہ تنظیم، ۱۹۳۰ء میں قاہرہ میں علامہ طنطاوی جوہری، شیخ الازہر شیخ مصطفیٰ المراغی اور ڈاکٹر عبدالوہاب عزام نے قائم

کی تھی۔اس وقت تنظیم کے صدر ڈاکٹر عزام ہی تھے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عالم عرب میں علامہ اقبال کی مقبولیت بڑھتی گئی۔ بہت سے عرب اور غیر عرب ادیبوں نے علامہ کی شخصیت، ان کے کلام اور پیغام کے بارے میں کتابیں اور مقالات لکھے۔ان حضرات میں ڈاکٹر عبدالوہاب عزام کے علاوہ امیرۃ نورالدین، محمد محمود الزبیری، سید ابوالحسن علی ندوی، حسن الاعظمی، عباس محمود اور محمد مجیب وغیرہ شامل ہیں لیکن ضاد بولنے والوں میں حکیم مشرق کے افکار حکیمانہ کی اشاعت و ترویج کا اصل سہرا عبدالوہاب عزام ہی کے ایک شاگرد اور رفیق شیخ صاوی علی شعلان کے سر بندھا مقدر تھا۔انہوں نے اس انداز اور اس خوبی اور عمدگی کے ساتھ شعر اقبال کو عربی میں ڈھالا کہ حجازی لے کو خم بھی حجازی میسر آگیا۔شیخ صاوی شعلان نے اقبال کی وفات کے قریبی زمانہ ہی میں ان کے کلام کو عربی میں منتقل کر کے عرب قارئین تک پہنچانے کا بیڑا اٹھا لیا تھا۔اس وقت سے لے کر آج تک مسلسل ۳۵-۳۶ سال سے وہ یہ بے بہا علمی، ادبی اور دینی خدمت انجام دے رہے ہیں اور خدا کرے کہ آئندہ بھی طویل عرصہ تک وہ یہ خدمت انجام دیتے رہیں۔

شیخ صاوی شعلان موجودہ شمسی صدی کے اوائل میں مصر کے قصبہ منوفیہ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ان کا گھرانا ایک متوسط دیندار کاشت کار گھرانا تھا۔نسبی طور پر اس گھرانے کا تعلق قبیلہ قریش کی شاخ بنی مخزوم سے ہے۔یاد رہے کہ یہ بنی مخزوم وہی قبیلہ ہے جس سے اللہ کی تلوار حضرت خالدؓ بن ولید بھی تعلق رکھتے ہیں۔شیخ صاوی شعلان نے بچپن میں قرآن پاک حفظ کیا اور ایک مقامی ابتدائی مدرسہ میں داخل ہو گئے۔لیکن بچپن ہی میں کسی غلط دوا کے استعمال سے ان کی بصارت زائل ہو گئی۔زوال بصارت نے ان کے جذبۂ حصولِ علم کو تیز تر کر دیا اور انہوں نے پہلے سے زیادہ جوش و خروش سے اپنی تعلیمی سرگرمیاں جاری رکھیں۔

انہوں نے قاہرہ یونیورسٹی سے امتیاز کے ساتھ اسلامی زبانوں اور مشرقی ادبیات میں ایم اے کیا۔ایم اے کرنے کے بعد انہوں نے علامہ اقبال کے ساتھ ساتھ اقبال کے مرشد پیر رومی کے کلام اور پیغام سے بھی عرب دنیا کو آشنا کرنے کا منصوبہ بنایا۔اس طرح پیر رومی اور مرید ہندی دونوں کے پیغام کی اشاعت کا ذمہ ایک مترجم عربی نے اپنے سر لیا۔اس ضمن میں انہوں نے مثنوی مولانا روم کے دفتر

اوّل کا منظوم عربی ترجمہ شائع کیا۔ دفتر دوم اور دفتر سوم کا ترجمہ سنہ ۱۹۶۹ء تک مکمل ہو چکا تھا لیکن اشاعت کی نوبت ابھی تک نہیں آسکی۔ دوسرے دفاتر کے بارے میں مجھے علم نہیں کہ کس مرحلہ میں ہیں علامہ اقبال کی منتخب نظموں پر مشتمل پہلا مجموعہ انہوں نے علامہ کی وفات کے صرف دو سال بعد ۱۹۴۰ء میں شائع کیا۔

شیخ صاوی شعلان نے اپنی علمی، فکری اور ادبی کاوشوں کو صرف نظم تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ نثر میں بھی وہ بہت کچھ لکھتے رہے ہیں۔ گزشتہ چالیس سال کے دوران عالم عرب میں شائع ہونے والے تقریباً تمام نمایاں ادبی اور دینی رسائل میں ان کی نظموں اور شعری ترجموں کے ساتھ ساتھ ان کے نثر پارے بھی چھپتے رہے ہیں۔ وہ خود بھی ایک ماہوار ادبی و دینی رسالے "مجلہ مکارم الاخلاق الاسلامیہ" کے ایڈیٹر رہے ہیں۔ نثر میں انہوں نے دینی، سیاسی، اخلاقی اور ثقافتی موضوعات پر لکھا ہے۔ نظم میں بھی انہوں نے صرف ترجمے کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ وہ خود بھی شعر کہتے رہے ہیں اور عربی زبان کی تقریباً تمام ہی اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ ان کے قصائد و شعریات کا ایک آدھ مجموعہ شائع بھی ہوا ہے۔

صاوی صاحب نے یوں تو علامہ اقبال کی بہت سی نظموں کا ترجمہ کیا ہے لیکن جو مقبولیت عام ان کے ترانۂ ملّی، شکوہ اور جواب شکوہ کے ترجموں کو حاصل ہوئی ہے وہ اپنی مثال آپ ہی ہے۔ بالخصوص ترانۂ ملّی کا ترجمہ تو اس قدر مقبول ہوا کہ شاید ہی کوئی عرب ملک ایسا ہو جہاں اس کو دلچسپی اور ذوق و شوق سے نہ پڑھا گیا ہو۔ اس ترانہ کے ترجمہ کے لئے صاوی صاحب نے بحر بھی وہ منتخب کی جو فوجی بینڈ کے ساتھ، سنا ہے کہ بہت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اس ترانہ کو مصر کی جماعت الاخوۃ الاسلامیہ کا بھی خاص ترانہ قرار دے دیا گیا تھا۔ آپ بھی اس کی روانی، سلاست اور عمدگی بیان سے محظوظ ہوں۔ نمونۃً چند شعر اور ان کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہاں ہمارا

الصّین لنا والعرب لنا والہند لنا والکل لنا
أضحی الاسلام لنا دینا وجمیع الکون لنا وطنا

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

توحيد الله لنا نور أعددنا الروح لمسكنا | الكون يزول ولا تمحى في الدهر صحائف سؤددنا
دنیا کے بتکدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا | ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا
بنيت في الارض معابدها والبيت الاول كعبتنا | هو اول بيت نحفظه بحياة الروح ويحفظنا
تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں | خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا
في ظل السيف ترعينا وبنينا العز لدولتنا | علم الاسلام على الايام شعار المجد لملتنا
سالار کارواں ہے میر حجاز اپنا | اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا
ومحمد كان امير الركب يقود الفوز لنصرتنا | ان اسم محمد الهادي روح الأعلى لنهضتنا
اقبال کا ترانہ بانگ درا ہے گویا | ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا
دقت أنشودة اقبال جرسا أيقظ فيه الزمنا | يعيد قوافلنا الاولى في المجد بعثت امتنا

ان چند اشعار سے آپ کو صاوی صاحب کے ترجمہ کی خوبی اور روانی کا بخوبی اندازہ ہو گیا ہوگا۔ اس ترانہ کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ کئی عرب ممالک کے ریڈیو اسٹیشنوں اور تجارتی کمپنیوں نے اس کے لانگ پلے ریکارڈ تیار کر لئے اور وسیع پیمانہ پر ان کی اشاعت ہوئی

اس ضمن میں صاوی صاحب کا دوسرا عظیم کارنامہ جس نے ان کو قبول عام عطا کیا وہ شکوہ اور جواب شکوہ کا ترجمہ ہے۔ شکوہ اور جواب شکوہ کے اس ترجمہ سے ترانہ ملی کو بھی لوگ بھول گئے۔ اس وقت عرب ممالک میں عام لوگ علامہ اقبال کو اس حوالہ سے جانتے ہیں کہ وہ حدیث الروح کے مصنف ہیں۔ حدیث الروح یعنی روح کی آواز دراصل شکوہ جواب شکوہ کے عربی ترجمہ کا عنوان ہے۔ چند شعر حدیث الروح کے بھی سن لیجئے۔ اصل شعر ہے۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے | پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے
حديث الروح في الارواح يسري | وتدركه القلوب بلا عناء
هتفت به فطار بلا جناح | وشق أنينه صدر الفضاء
عشق تھا فتنہ گر و سرکش و چالاک مرا | آسماں چیر گیا نالۂ بے باک مرا
پیر گردوں نے کہا سن کے، کہیں ہے کوئی | بولے سیارے سر عرش بریں ہے کوئی

لقد فاضت دموع العشق منی — حدیثا کان علوی النداء
تحلق فی رُبی الافلاک حتی — أهاج العالم الاعلی بکائی
تحاورت النجوم وقلن صوت — بقرب العرش موصول الدعاء

حدیث الروح کی اشاعت نے ایک بار پھر عرب دنیا کے ہر پڑھے لکھے آدمی کو علامہ اقبال کے کلام کی طرف متوجہ کر دیا۔ لوگوں نے تلاش کر کر کے علامہ اقبال کی نظموں اور شعروں کے تراجم پڑھنے شروع کیے۔ حکومت پاکستان نے بھی اس موقعہ پر بخوبی اپنا فرض انجام دیا۔ اس وقت کی حکومت نے شیخ صاوی علی شعلان کو دعوت دی کہ وہ ایک سال کے لئے پاکستان تشریف لائیں اور حکومت پاکستان کے خرچ پر پاکستان میں قیام کر کے یکسوئی کے ساتھ علامہ اقبال پر کام کریں۔ شیخ اکتوبر ۱۹۶۸ء میں پاکستان تشریف لائے اور اسلام آباد میں قیام کیا۔ وزارت تعلیم کی طرف سے شیخ کے قیام ان کے کام میں ان کے ساتھ تعاون اور دوسری ذمہ داریوں کے لیۓ ادارہ تحقیقات اسلامی کو کہا گیا کہ وہ ان سب امور کا اہتمام کرے اور اپنی نگرانی میں یہ سب کام کرائے۔ چونکہ شیخ صاوی شعلان نابینا ہیں اور اُردو زبان پر پوری قدرت بھی نہیں رکھتے اس لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ کوئی شخص مستقلاً اس کام میں ان کا شریک ہو۔ چنانچہ قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند، میں اس کام میں ان کا معاون ہو گیا اور کم و بیش ایک سال تک دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں سے اٹھارہ گھنٹے میں اور صاوی صاحب کام کرتے رہتے۔ کلام اقبال کے ترجمہ کے علاوہ نہ جانے کیا کیا ہم نے پڑھ ڈالا۔ میں نے ان کو پاکستان کے تقریباً تمام بڑے بڑے شعراء اور ادباء کے منتخبات ترجمہ کر کر کے سنائے جن میں سے بہت سے انہوں نے اُبھرے حروف میں اپنے پاس لکھ لئے اور ممکن ہے اب تک اُنہیں عربی نظم کا جامہ بھی پہنا دیا ہو۔

صاوی صاحب نے پاکستان میں رہ کر تین بڑے کام کیے۔ سب سے پہلے اُنھوں نے علامہ اقبال کی کتاب "مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوام شرق" کا منظوم ترجمہ کیا۔ ترجمہ کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے میں ان کو ایک قصیدہ یا نظم کا ایک ایک شعر اصل فارسی میں لکھاتا تھا اس کے بعد ہم دونوں مل کر ہر شعر کا عربی نثر میں ترجمہ کرتے جس کو نوٹ کر لیا جاتا۔ اگلے روز صاوی صاحب پچھلے روز

کے ترجمہ کو نظم کر کے لے آتے اور میں اس کو لکھ لیتا۔ اس طرح تقریباً ڈیڑھ دو ماہ میں ہم نے پوری مثنوی کا منظوم ترجمہ مکمل کر لیا۔ اس کے بعد اس کتاب کا ایک مبسوط مقدمہ لکھا گیا۔ میں مختلف کتابوں سے ضروری مواد حاصل کر کے مرتب کرتا اور صاوی صاحب کو سنا کر اس میں اصلاح و ترمیم اور حذف و اضافہ کرا لیتا۔ مقدمہ کے علاوہ کتاب کی ہر نظم کا ایک الگ تعارف لکھا گیا جس میں اس نظم کے تمام مباحث کو نثر میں تفصیل سے بیان کیا گیا۔ اس طرح تقریباً تین سو صفحات پر مشتمل ایک کتاب کا مسودہ تیار ہو گیا۔

دوسرا کام جو صاوی شعلان صاحب نے پاکستان کے قیام کے دوران کیا وہ علامہ اقبال کی دس طویل نظموں کا مجموعہ تھا۔ ان نظموں میں شمع و شاعر، طلوعِ اسلام، خضرِ راہ، مسجد قرطبہ، ابلیس کی مجلس شوریٰ، والدۂ مرحومہ کی یاد میں، ساقی نامہ، تصویرِ درد، پیام اور پیر و مرید شامل تھیں۔ ان میں سے ہر نظم کے ترجمے کے شروع میں بھی ایک مفصل مقدمہ اس نظم کی خصوصیات، اس کے مطالب کی توضیحات اور اس کی ادبی اور شعری خوبیوں کے بارے میں لکھا گیا۔ شروع میں خیال تھا کہ صرف اول الذکر سات نظموں پر مشتمل مجموعہ "المعلقات السبع لمحمد اقبال" یا "السبع الطوال لمحمد اقبال" کے نام سے شائع کیا جائے لیکن بعد میں آخر الذکر تین نظمیں بھی اس مجموعہ میں شامل کر لی گئیں۔

تیسرا کام جاوید نامہ کے اہم مباحث پر مشتمل اس کا ایک خلاصہ تھا۔ جس میں جاوید نامہ کے ہر فلک کے مباحث کی بنیادی باتیں بیان کی گئی تھیں۔ بعض حصوں کا مکمل ترجمہ بھی کیا گیا جیسے مناجات اور فلک عطارد۔

علامہ اقبال پر مذکورہ کام کے علاوہ صاوی صاحب کا ارادہ تھا کہ وہ اقبال کی زندگی اور فکر و فن پر لکھی گئی بعض منتخب کتابوں کا بھی ترجمہ کریں۔ اس ذیل میں وہ اکثر و بیشتر مجھ سے اور دوسرے لوگوں سے مشورہ کرتے رہتے تھے۔ میں نے ان کو ڈاکٹر یوسف حسین کی کتاب فکرِ اقبال، طاہر فاروقی صاحب کی کتاب سیرتِ اقبال کے علاوہ اقبال پر لکھے جانے والے منتخب مضامین کا ترجمہ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اقبال کے ساتھ ساتھ وہ پاکستان کے دوسرے ادیبوں کے شہ پارے بھی عربی میں منتقل کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ مختلف دوستوں کے تعاون سے انھوں نے مرزا غالب کی کئی غزلوں کا ترجمہ کیا۔ ادارہ کے ایک

سابق رکن ڈاکٹر معین الدین احمد خان اور میرے تعاون سے انہوں نے نذر الاسلام کی بھی ایک نعت کا ترجمہ کیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے مجھ سے خاص طور پر قرارداد کی تھی کہ ہم دونوں مل کر خواجہ فریدالدین عطار کی معرکۃ الآرا کتاب منطق الطیر کا بھی ترجمہ کریں گے۔ وہ منطق الطیر کے مضامین، انداز بیان اور علمی و ادبی خوبیوں کے بہت مداح تھے۔ اکثر مجھ سے پڑھوا کر سنتے تھے۔ اور اکثر و بیشتر منطق الطیر سننے کے بعد ان میں کبر سنی کے باوجود روایتی عربی جوش و خروش عود کر آتا اور وہ معانقہ کے انداز میں میرے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر بار بار کہتے: "والله یا شیخ غازی! ان هذا الکتاب یلقی ضجة فی العالم العربی۔ یعنی خدا کی قسم! غازی صاحب، یہ کتاب تو عالم عرب میں تہلکہ مچا دے گی۔

پاکستان کی تاریخ پر عربی میں ایک مبسوط کتاب لکھنے کا خیال بھی مدت سے صاوی صاحب کے ذہن میں ہے۔ عرصہ ہوا انہوں نے جناب حسن الاعظمی صاحب کے تعاون سے اس ضمن میں کچھ لکھا بھی تھا لیکن وہ ہنوز نامکمل ہے۔

یہ پاکستان سے صاوی صاحب کی محبت ہے جس نے ان سے یہ سب کام کرائے ہیں۔ قاہرہ میں پاکستان سے متعلق پچھلے ۳۰-۳۵ سال میں شاید کوئی تقریب ایسی نہیں ہوئی جس میں صاوی صاحب شریک نہ ہوتے ہوں اور اس میں انہوں نے پاکستان یا اقبال کے بارے میں اپنی کوئی نئی تخلیق پیش نہ کی ہو۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں پاکستان کے حق میں ان کی زوردار نظمیں قاہرہ کے اخبارات و رسائل میں شائع ہوئی تھیں۔ حکومت پاکستان کی اپیل پر دفاعی فنڈ کے لئے سب سے پہلے انہوں نے ایک مجلس بنائی اور پاکستان کے حق میں اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں بھی انہوں نے کئی نظمیں لکھی ہیں۔ قائداعظم کی ایک عربی سوانح لکھنے کا بھی انہوں نے ایک بار ارادہ ظاہر کیا تھا۔

اس مضمون کو ختم کرنے سے قبل میں قارئین اور ارباب علم و دانش کی خدمت میں بعض تجاویز بھی پیش کرنا چاہتا ہوں۔

ا۔ حکومت پاکستان اپنے خصوصی اہتمام سے علامہ اقبال کی تصانیف و اشعار کے ان تمام تراجم کی اشاعت کا بندوبست کرے جو صاوی صاحب نے پاکستان میں قیام کے دوران کئے تھے۔ یہ تراجم

ابھی تک شائع نہیں ہو سکے۔

۲۔ ممکن ہو تو صاوی صاحب کو آئندہ دو تین سال کے لئے پاکستان آنے کی دعوت دی جائے تاکہ وہ ان تمام کاموں کو مکمل کر سکیں جو وہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس ضمن میں ان کو ان کے شایان شان مراعات دینی چاہئیں۔

۳۔ عرب ممالک میں جو لوگ علامہ اقبال پر کام کر رہے ہیں ان کی حوصلہ افزائی کے لئے عربی زبان میں اقبال پر بہترین کتاب لکھنے پر کوئی مناسب انعام مقرر کیا جائے۔ اگر ابھی سے اس انعام کا اعلان ہو جائے تو نومبر ۱۹۷۷ء تک عربی میں اقبال پر بہت کچھ مواد سامنے آسکتا ہے۔

۴۔ مشرق وسطیٰ کی کسی مرکزی یونیورسٹی میں اقبال چیئر قائم کی جائے۔ میری رائے میں یہ چیئر بیروت میں قائم کی جا سکتی ہے۔

۵۔ عالم اسلام کی دوسری زبانوں میں بالخصوص ترکی، سواحلی، افریقان اور انڈونیشن میں بھی اقبال کے کلام اور پیغام کی نشر و اشاعت کے لئے ایسے ہی یا دوسرے مناسب اقدامات کئے جانے چاہئیں۔

۶۔ پاکستان کے بعض پڑوسی ممالک میں علامہ اقبال کے پیغام کی اشاعت کی جتنی ضرورت آج ہے کبھی نہ تھی۔ اس کے لئے کوئی مفصل اور مربوط پروگرام بنانا چاہیئے۔